ڈاکٹر بلال سہیل
ایسوسی ایٹ پروفیسر
فیڈرل گورنمنٹ سر سیّد کالج، راول پنڈی

اختر الایمان کی شاعری اور سماجی توازن

Akhtar ul Iman 's Poetry & Social Balance

Abstract:
Akhtar ul Iman believed that poetry can play a role for social balance. He reiterated poetry is not a time pass or an action of passing the time, typically in an aimless or unproductive way. In this perspective Akhtar ul Iman's poetry has been analyzed in this research paper with the help of Austrian/ American Social Psychologist Fritz Heider's Social Balance Theory. Fritz Heider provided a solid base to learn how a social group evolves to the possible balance state. Relations among individuals characterize interactions occur in a social system. One important component among social agents in the relations is sentiment. Sentiments can result a social mitosis defined as the emergence of two groups, disliking exists between the two subgroups within liking agents. The overall sentiments among agents show the balance of a social system. The Heider's balance theory is one of cognitive consistency theories which remained popular for decades. This balance theory discussed the relations among individuals based on sentiment, which provided a ground to study poetry. Poetry is an artistic and meaningful expression of sentiments. Akhtar ul Iman's poems have great significance in this perspective, which spans over a period of sixty years.

Key words: Akhtar ul Iman's, Poetry, Social Balance

''اگر ادیب تجریدی انداز میں خیر و شر کے مسئلے پر غور کرنے میں مصروف ہو جائے تو وہ اپنی امانت سے غدّاری کرے گا۔'' (۱)

اختر الایمان کا شمار ترقی پسند تحریک سے متاثر ہونے والے شعراء میں ضرور کیا جا سکتا ہے، تاہم اُن کا نظریہء ادب مارکسزم کی اِس جدید تشریح اور تعبیر کے قریب نظر آتا ہے جس کے مطابق نظریہ، سماجی تشکیل میں معاشی سطح اور سیاسی سطح کے ساتھ مل کر عمل آرا ہوتا ہے۔

اختر الایمان اِس نظریے کے قائل رہے ہیں کہ شاعری معاشرے میں توازن پیدا کرتی ہے کیوں کہ اِس کے ذریعے شاعر انسان کے حیوانی پہلو کی نفی اور مثبت پہلوؤں کا اثبات کرتا ہے۔ اختر الایمان ترقی پسند تحریک سے متاثر ہوتے ہوئے بھی اِس تحریک سے اپنے لیے ایک الگ راستہ چُنتے نظر آتے ہیں۔ جب برِّعظیم میں یہ تحریک زوروں پر تھی۔ اختر الایمان نے حلقہء اربابِ ذوق کی جدیدیت کی تحریک سے بھی استفادہ کیا لیکن وہ ادب برائے ادب کے قائل نہیں رہے، بل کہ ادب برائے زندگی کے قائل تھے۔ اختر الایمان کے طویل شعری سفر میں ایک مقصد تو نظر آتا ہے، مگر اِس میں مقصدیت کا عنصر نہیں ملتا۔ مقصد اور مقصدیت کا فرق ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کے الفاظ میں یوں واضح کیا جا سکتا ہے:

> ''مقصد کی بنیاد زندگی کے ٹھوس رویے ہیں اور مقصدیت کی بنیاد سطحی نعرے۔ نعروں اور رویّوں میں فرق ہے۔ رویّے انسان کی پوری ذات کا اظہار ہوتے ہیں اور نعرے محض بیان کا۔ رویّوں کا تعلق فلسفہء زندگی یا کم از کم زندگی کے بارے میں ایک نقطہء نظر سے ہوتا ہے۔ جب کہ نعروں کا تعلق یکسانیت اور یک رنگی حاصل کرنے کی خواہش سے۔'' (۲)

اختر الایمان فن کار کی جدوجہد کو زندگی کی اعلیٰ اور برتر قدروں سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ خیال کہ عظیم فن پارے محض جسمانی یا معمولی ضروریات کے پیشِ نظر تخلیق کیے جاتے ہیں۔ اختر الایمان اِس سوچ کو سرمایہ دار سماج کی سوچ قرار دیتے ہیں۔ اختر الایمان کے خیال میں اپنی قدروں سے بے نیاز مادہ پرست سماج سے زندہ رہنے کے لیے جب شاعر سمجھوتا کرتا ہے، تو وہ دو شخصیتوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایک شاعر اور ایک دُنیادار آدمی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ وہ اپنی شاعری کو ٹوٹے ہوئے آدمی کی شاعری کہتے ہیں، لیکن یہ محض ٹوٹے ہوئے آدمی کی شاعری نہیں رہتی، ٹوٹے ہوئے معاشرے کا نوحہ بھی بن جاتی ہے۔ جس میں ہر فرد ٹوٹ پھوٹ کا شکار نظر آتا ہے۔ جہاں ثنویت ہی فرد کی بنیادی پہچان بن جاتی ہے:

> فرقت کی ماں نے شوہر کے مرنے پر کتنا کہرام مچایا تھا
> لیکن عدّت کے دن پورے ہونے سے اک ہفتہ پہلے
> نیلم کے ماموں کے ساتھ بدایوں جا پہنچی تھی

بی بی کی صحنک، کونڈے، فاتحہ خوانی
جنگ صفین، جمل، بدر کے قصوں،
سیرتِ نبوی، ترکِ دُنیااور مولوی صاحب کے حلوے مانڈے میں کیا رشتہ ہے؟ (۳)

اخترالایمان معاشی، سماجی، سیاسی، نفسیاتی، رومانی اور تاریخی وجوہ کی بنا پر شاعری کو "انسان کی روح کا کرب" قرار دیتے ہیں۔اِسی کرب کی وجہ سے اُنھیں یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ اب وسیع الخلق، وسیع النظر، وسیع المشرب، وسیع الظ رف اور وسع الخیال لوگ کم ہوگئے ہیں۔دل چسپ بات یہ ہے کہ وہ اِنھی ادھورے آدمیوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے ناگوار پہلوؤں پر طنز بھی کرتے ہیں۔ گذشتہ سطور میں بتایا جاچکا ہے کہ اخترالایمان ادب برائے ادب کے قائل نہیں تھے۔ایک ایسے معاشرے میں جس کی ٹوٹ پھوٹ کا اور بے معنویت خود شاعر کو بھی یقین ہے اس میں شاعری کا مقصد اور شاعر کا کردار ایک نازک اور اہم معاملہ بن جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اخترالایمان اپنی شاعری میں کس مقصد کی تدویج کے لیے کوشاں رہے ہیں نیز اپنے مقصد کے اظہار میں اُنھیں کس قدر کام یابی ہوئی ہے؟اخترالایمان نے شاعری کا مقصد یوں بیان کیا ہے:

"حیات کا تانا بانا تو بن گیا۔پیغمبر اب نہیں آتے، مگر چھوٹے پیانے پر یہ کام اب شاعر کر رہا ہے۔شاعر کا کام زندگی میں ایک توازن پیدا کرنا بھی ہے اور اس کے اندر جو حیوان ہے اُس کی نفی کرنا بھی۔جہد تو جاری رہے گی، مگر اہلِ فکر قلم بھی، انگلیاں فگار و خامہ خون چکاں لیے لیے ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے۔اُس کارواں ک ایک آدمی میں بھی ہوں۔یہ کام مجھ سے کتنا بن پڑا، اِس کا جواب میں تو نہیں دے سکتا، آپ ؔحکم ؔ ہیں۔ میں پہلے بھی سعی کرتا رہا ہوں، آیندہ بھی کرتا رہوں گا۔" (۴)

اخترالایمان نے شاعر کو زندگی میں توازن پیدا کرنے کی جو ذمہ داری سونپی ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کو اپنے ضمیر اور سماج اور نظریے کے سامنے جواب دہ تصوّر کرتے ہیں۔ادب اور سماجی توازن کے بارے میں بات کرنے سے پہلے آسٹرین نژاد امریکی ماہر نفسیات فرٹز ہیڈر کے ۱۹۴۶ء میں پیش کردہ سماجی توازن کے نظریے کو دیکھا جا سکتا ہے۔اِس نظریے میں ادراک کنندہ، دوسرا آدمی اور معروض مثلث کے تین زاویوں کی طرح ہیں۔ سماجی توازن کے اِس نظریے میں یہ مشہور مغربی مقولہ کارفرما ہے کہ "میرے دوست کا دوست میرا دوست ہے، میرے دوست کا دُشمن میرا دُشمن ہے، میرے دُشمن کا دوست میرا دُشمن ہے اور میرے دُشمن کا دُشمن میرا دوست ہے۔اگرچہ مشرق میں یہ مقولہ حضرت علی کے قول کی صورت میں زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ فرٹز ہیڈر کا نظریہ سماجی گروہ کی ارتقاپذیری اور متوازن حالت کے حصول سے بحث کرتا ہے۔اِس نظریے کی

رُو سے افراد کے تعلقات اُن کے معاملات کی عکاسی کرتے ہیں، جو کسی سماجی نظام میں پیدا ہوتے ہیں۔انسانی تعلّقات کے تناظر میں سماجی عناصر میں جذبات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔جذبات سماجی تقسیم کی صورت میں بھی سامنے آتے ہیں۔مثال کے طور پر دو گروہوں کے ظہور کی صورت میں دو گروہوں میں پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا عنصر پیدا ہوتا ہے۔سماجی عناصر میں مجموعی جذبات سماجی نظام کے توازن کو ظاہر کرتے ہیں۔جذبات کی عمومی تقسیم دو طریقوں سے کی جاتی ہے۔ مثبت یا پسندیدگی کے حامل جذبات اور منفی یا ناپسندیدگی کے حامل جذبات،انسان اپنے جذبات میں جس قدر حقیقی ہوگا،اُس کا اظہار اُسی قدر موثر ہوگا۔جذبہ وہ شے ہے جو انسان کو چیزوں کی قدر و قیمت سمجھنے کے قابل بناتا ہے۔انسان بالعموم فکر کے بجائے اچھائی اور برائی،خوب صورتی اور بدصورتی کی قدر اور اہمیت جذبے کے ذریعے ہی پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔اطمینان اور بے اطمینانی کا فرق بھی جذبے کا محتاج ہوتا ہے۔انسانوں کے لیے بعض حوالوں سے جذبہ، فکر سے زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جذبہ انسان کے شعور کی تشکیل کرتا ہے، کیوں کہ انسان جو محسوس کرتا ہے اور جس طرح محسوس کرتا ہے ،اُسے، انسان کیا ہے اور وہ کس طرح سوچتا ہے، پر ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔انسانی زندگی میں اہم ترین عوامل کی نوعیت بھی فکری سے زیادہ جذباتی ہوتی ہے۔سائنسی افکار کے ذریعے مظاہرِ فطرت کی تسخیر تو ہو سکتی ہے ،مگر اِس عمل سے انسان کی خوشیوں میں اضافہ ہونا ہے یا انسانی خوشیوں میں کمی آئے گی،اِس بات کا فیصلہ جذبات ہی سے ممکن ہے۔جذبات کو عقل سے کم تر خیال کرنا درست رویّہ نہیں۔جذبات کو عقل سے ادنیٰ سمجھے جانے کی ایک وجہ جذباتی تربیت کا نہ ہونا بھی ہے۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ انسان کسی کام کو فرض سمجھ کر اُسی وقت کرتا ہے ،جب وہ سوچتا ہے کہ یہ کام فائدہ مند رہے گا، مگر وہ یہ محسوس نہیں کرتا کہ یہ کام اُس کے لیے فائدہ مند ہے، تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ اُس کا جذبہ غلط ہے یا پھر فکر، یہ بھی ممکن ہے کہ فکر غلط اور جذبہ درست ہو۔ گویا ایسے معاملوں میں اچھائی، برائی کے تعین کے لیے جن اُصولوں کا سہارا لیا جاتا ہے،وہ درحقیقت دوسروں کے روایتی جذبات ہوتے ہیں، کیوں کہ ایسی صورت میں انسان کو اپنے جذبات پر اعتماد نہیں ہوتا۔اِس کا واحد علاج یہ ہے کہ انسان مناسب ڈھب سے محسوس کرنا سیکھے۔ جس طرح انسان کی فکر غلط ہو سکتی ہے، بالکل اُسی طرح اُس کے جذبات بھی غلط ہو سکتے ہیں۔جو اُسے دھوکا دے کر اُس کے تجربے میں غیر حقیقت کو نامحسوس انداز میں داخل کر دیتے ہیں۔جذبات سماج میں انسانی کردار کے تعین میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔فرٹز ہیڈر نے افراد کے مابین تعلقات کو جذباتی سطح پر پرکھنے کی کاوش کی ہے۔اگر دو فریق ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، تو یہ ''حالتِ توازن'' کہلائے گی۔اگر اُن میں سے ایک فریق مختلف جذباتی تعلق رکھتا ہے، تو تعلقات کی غیر متوازن حالت ہوگی۔بظاہر اِس

نظریے میں افراد کے سادہ تصوّرِ عمل پر انحصار کیا گیا ہے۔ یہ ایسا تصوّراتی ڈھانچا ہے جس میں دوسرے لوگوں کے رویّے کے تئیں تعبیر، تشریح اور پیش گوئی کی جاتی ہے۔ جس میں سوچے سمجھے خیالات (عقائد، خواہشات، جدوجہد اور مقاصد کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔) یہ نفسیات کا ظاہری علاقہ اور سماجیات کا باطنی علاقہ ہے۔ فرد کا عمومی حسیاتی رویّہ، دوسروں کے متعلّق فرد کیسے محسوس کرتا ہے اور اپنے حالات، دیگر افراد نیز اُن سے متعلّق تعلّقات کا کس طرح تجزیہ کرتا ہے؟ پسند سے ناپسند کی طرف لے جانے والی رویّے کی تبدیلی فرٹز ہیڈر کی تجاویز میں سے ایک تجویز ہے، جس کے مطابق غیر متوازن سماجی حالت کے دباؤ کی وجہ سے فرد باہمی تعلّقات میں حالتِ توازن کا آرزومند رہتا ہے، جو اُس کے جذباتی تعلّقات کو تبدیل کرنے پر منتج ہوتی ہے۔ شاعری جذباتی اظہار بھی ہے اور جذبات کو متوازن رکھنے کی ایک سبیل بھی۔ شاعر معاشرے میں توازن کے لیے اپنے فن میں مطابقت سے بغاوت تک مختلف حالتوں کا اظہار کرتا ہے۔ اِس صورتِ حال کو "سروساماں" کے دیباچے میں اختر الایمان نے ''گزران'' بھی کہا ہے۔

> ''گزران کا ایک لفظ میرے ذہن میں ہے، جو میں سمجھتا ہوں، پوری زندگی کی اساس ہے۔ آدمی جہاں بھی ہے۔ خواہی، نہ خواہی، گفتنی ناگفتنی، ہر طرح کی قیود و بند میں رہ کر گزران کرتا ہے۔'' (۵)

اختر الایمان کے یہاں جس طرح شعر کے ذریعے سماجی توازن پر بار بار زور دیا گیا ہے اُن کی یہ سوچ اُن کے ہم عصر ایران کے ممتاز دانش ور ڈاکٹر علی شریعتی کے نظریۂ ادب سے بھی مماثل نظر آتی ہے۔ علی شریعتی بھی اختر الایمان کی طرح ادب کو ایک ذمہ داری تصوّر کرتے ہیں، بل کہ وہ تو ''ادب برائے ادب، سائنس برائے سائنس کو'' مغرب کا بے حد چالاکی اور مہارت سے تیار کیا گیا ''خطرناک منصوبہ'' قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر علی شریعتی کے خیال میں غیر مسئول ادب یا فن برائے فن انسان کو اُس کے تنزّل اور فریب خوردگی میں مبتلا رکھتا ہے۔ شریعتی لکھتے ہیں:

> ''کیا محض اُس شخص کو شاعر قرار دیا جائے، جو ایک ایسی تصنیف وجود میں لا چکا ہے جو احساس کو اکساتی ہے اور کلام کے اجزاء کی ترکیب سے ایک خوب صورت فن پارہ بن گئی ہے؟ شاعر وہ شخص ہے جو بیان کی تمام قدرتوں کو کام میں لاتا ہے تاکہ انسانوں کو اپنے ہدف تک پہنچنے میں، اور ان کی زندگی اور احساس اور مسئولیتوں کو آگاہی عطا کرنے میں اور جو ناہم واریاں ان پر گذرتی ہیں اور جو اُن کا مقدّر بن کر رہ گئی ہیں، اُن کے سلسلے میں اُن کا ساتھ دیتا ہے؟ ان دونوں میں سے کون سی چیز کو آپ حقیقی قرار دیں گے؟ نٹشے کے اقوال سے ایک فقرہ نقل کرتا ہوں: فن برائے فن، علم برائے

علم اور شعر برائے شعر محض دھوکا ہیں۔ فن کار کے میت نما وجود کو ڈھانپنے اور اجتماعی مسئولیتوں کے ساتھ عہد نبھانے سے گریز کو باعزّت بنانے کی ایک کوشش۔'' (۶)

اختر الایمان نے جہاں اپنی شاعری کو زندگی اور اس کی سیاسی، معاشی اور نفسیاتی قدروں کی تنقید کہا ہے وہاں وہ اسے ایک ایسے معاشرے (۸) کی پیداوار قرار دیتے ہیں جس کی بنیاد مصلحت پر ہے نہ کہ کسی اعلیٰ اخلاقی قدر پر یوں اُن کے یہاں زندگی ایک سمجھوتے کا روپ دھار لیتی ہے جس میں ضمیر کو چھوڑ دیا جائے تو پیچھے صرف حیوانیت رہ جائے گی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اختر الایمان کی شاعری میں انسانیت اور حیوانیت کی یہ کش مکش کس کس روپ میں سامنے آئی ہے۔ ''نقشِ پا'' اختر الایمان کی جدید نظم نگاری کا اوّلین نمونہ ہے اگر وہاں سے مطالعہ شروع کیا جائے تو اسی نظم میں شاعر اپنے معاشرے کا ایک بھیانک روپ دکھاتا نظر آتا ہے:

کوئی نیا افق نہیں جہاں نظر نہ آسکیں
یہ زرد زرد صورتیں یہ ہڈیوں کے جوڑ سے (۹)

آگے چل کر شاعر کے لیے معاشرے کا یہ روپ ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے:

کہیں روتے بھٹکتے پھر رہے ہیں ہر طرف ہر سو
غلاظت آشنا جھلسے ہوئے انسان کے پلے
یہ وہ ہیں جو نہ ہوتے کوکھ پھٹ جاتی مشیّت کی
تمنّاؤں میں اِن کی رات دن کھینچے گئے چلے (۱۰)

اختر الایمان نے سماجی توازن کے نظریے کے تناظر میں کئی طرح کے اسالیب اپنائے ہیں۔ کبھی وہ علامتی انداز میں سماجی مسائل کی نشان دہی کرتے ہیں، کبھی تمثالوں سے کام لیتے ہیں۔ کبھی براہِ راست صحافتی انداز میں بات کرتے ہیں تو کبھی استعارے اور تشبیہ کا سہارا لیتے ہیں۔ اختر الایمان کی شاعری میں سماجی توازن کی خاطر معاشرے کی بے معنویت اور کھوکھلا پن ظاہر کرنے کے لیے شہری زندگی بطورِ خاص موضوعِ سخن بنائی گئی ہے۔ یہاں طنز کی کاٹ بھی نمایاں ہے:

صبح اُٹھ جاتا ہوں جب مرغ اذاں دیتے ہیں
اور روٹی کے تعاقب میں نکل جاتا ہوں میں

شام کو ڈھور پلٹتے ہیں چراگاہوں سے جب
شب گزاری کے لیے میں بھی پلٹ آتا ہوں (۱۱)

اگر شاعر ایک شہری انسان کی زندگی کو مادی ضروریات کی نذر ہوتے دیکھتا ہے تو اِس میں اُسے جانوروں کی زندگی کا سا معمول نظر آتا ہے شہری زندگی کا ایک عیب اس کی یکساں تہذیبی علامات بھی ہیں۔

''وہ علی گڑھ ہو کہ لندن شہر سب یکساں ہیں آج'' (۱۲)

منیر نیازی نے شہری زندگی کے اِس المیے کو زیادہ بہتر طریقے سے بیان کیا ہے:

ایک ہی رُخ کی اسیری خواب ہے شہروں کا اَب
اِن کی موتیں ایک سی ،اِن کی براتیں ایک سی
اَے منیرؔ آزاد ہو، اِس سحرِ یک رنگی سے دُور
ہو گئے سب زہر یکساں، سب نباتیں ایک سی (۱۳)

فحاشی اور جنسیت شہری زندگی کا ایسے مسائل ہیں، جن نے سماجی قدروں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اس سنگین مسئلے کو اختر الایمان نے اسی قدر سنگین طنز کا نشانہ بنایا ہے:

اور حسینوں کے اندام بھی فضلے کے ڈبوں کی صورت کھلے ہوئے ہیں (۱۴)

عورتوں کے برہنہ بدن کی تمنّا سے آگے کہیں کچھ نہیں ہے (۱۵)

''شیشہ کا آدمی'' جدید معاشرے کے افراد کی بے معنی زندگی کی تصویر قاری کے سامنے آجاتی ہے۔

اٹھاؤ ہاتھ کہ دستِ دُعا بلند کریں
ہماری عمر کا اک اور دن تمام ہوا
خدا کا شکر بجالائیں آج کے دن بھی
نہ کوئی واقعہ گزرا، نہ ایسا کام ہوا
زباں سے کلمۂ حق راست کچھ کہا جاتا
ضمیر جاگتا اور اپنا امتحان ہوتا
خدا کا شکر بجالائیں آج کا دن بھی

اسی طرح سے کٹا، منہ اندھیرے اُٹھ بیٹھے
پیالی چائے کی پی، خبریں دیکھیں، ناشتے پر
ثبوت بیٹھے بصیرت کا اپنی دیتے رہے
بہ خیر وخوبی پلٹ آئے جیسے شام ہوئی
اور اگلے روز کا موہوم خوف دل میں لیے
ڈرے ڈرے سے، ذرا بال پڑ نہ جائے کہیں
لیے دیے یوں ہی بستر میں جا کے لیٹ گئے (۱۶)

''دن کا سفر'' میں اِسی سماجی پہلو کو پیش کیا گیا ہے مگر وہاں شاعر کا لہجہ کسی قدر صحافیانہ سا ہو گیا ہے:

اگر چاہتے ہو کہ دن عافیت سے گذر جائے سارا۔۔۔
سویرے سویرے نہ اخبار پڑھنا (۱۷)

اختر الایمان نے اپنے ارد گرد کے شہروں کی زندگی کے بعض تاریک پہلوؤں کی نشان دہی اپنی نظموں ''نیا شہر''، ''عروس البلاد'' اور ''توازن'' میں بھی کی ہے، لیکن بہ راہِ راست اُسلوب کی وجہ یہ نظمیں قاری کو بہت زیادہ متاثر نہیں کرتیں۔ یہ ضرور ہے کہ اِس موضوع پر اختر الایمان کی پوری شاعری میں جو تصویریں بکھری پڑی ہیں، اُن کو اکٹھا کیا جائے، تو ان کا تاثّر کامیو کے ناول ''زوال'' کے اُس حصّے کی طرح بے رحم اور بے دل محسوس ہوتا ہے۔ جہاں تہذیبی اعتبار سے زوال آمادہ مغربی معاشرے کے پس منظر میں یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مستقبل کے مؤرّخ کے لیے جدید یورپ کے بارے میں محض اِسی قدر لکھنا کافی ہو گا کہ وہ بدکار تھا اور اخبار پڑھتا تھا۔ اختر الایمان نے اپنی شاعری میں ماحول کی عکاسی کو کس قدر اہمیت دی ہے اور انسانی ضمیر کو جگانے کے اپنی متاعِ سخن کو کس طرح خرچ کیا ہے۔ اس کا اندازہ درج ذیل اقتباسات سے لگایا جا سکتا ہے۔ اِن دونوں اقتباسات میں لگ بھگ پچاس برس کا فاصلہ حائل ہے، مگر دونوں نقاد ایک ہی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خان ۱۹۴۳ء میں شائع ہونے والے اپنے معرکۃ الآرا مضمون میں لکھتے ہیں:

''اختر الایمان احساسات کا شاعر ہے اور یہ احساسات ایک مخصوص خارجی ماحول کی پیداوار ہونے کی وجہ سے صرف اُس کے نہیں ہزاروں لاکھوں انسانوں کے احساسات ہیں۔ چناں چہ اختر الایمان کی شاعری آپ بیتی کی نہیں جگ بیتی کی ترجمان ہے۔'' (۱۸)

عزیز قیسی کے خیال میں:

''وہ معاشرے پر طنز کرتے ہیں، تنقید کرتے ہیں، گلہ کرتے ہیں، احتجاج کرتے ہیں اور شعر کو اصلاحِ معاشرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔'' (۱۹)

اختر الایمان کا سماجی شعور ترقی پسند نظریات سے کس قدر متاثر ہے اِس کا اندازہ اس دل چسپ اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

''اگر کوئی پوچھے کہ ترقی پسند تحریک نے اُردو شاعری کو کیا دیا؟ تو پہلا اور فوری جواب یہ ہی ہو گا کہ فیض احمد فیض اور اختر الایمان دیے۔ یہ وہ جواب ہے جس سے ترقی پسند تحریک سے شدید اختلاف رکھنے والے بھی اختلاف کی جرأت نہیں رکھتے۔'' (۱۹)

اختر الایمان نے اپنی شاعری میں جہاں سماجی معمولات کی وساطت سے معاشرے کی تصویر کشی کی ہے وہیں غیر معمولی تاریخی واقعات کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ''ایک سوال'' کے عنوان سے جو نظم کہی ہے اس میں قحطِ بنگال کی تصویر کشی علامتی انداز میں کی گئی ہے۔ جنگِ عظیم دوم کو بعض نظموں میں براہِ راست بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ اِسی طرح تقسیمِ ہندوستان پر اختر الایمان کی کہی گئی نظمیں اہمیت کی حامل ہیں۔ تقسیمِ ہندوستان ایک بڑے تاریخی فیصلے اور عظیم انسانی المیے کے طور پر اردو ادب میں متعدد شاعروں کا موضوع بنی ہے۔ نظم ''پندرہ اگست'' میں سیاسی قیادت سے سوال کیا گیا ہے۔

یہ ہی دن ہے جس کے لیے میں نے کاٹی تھیں آنکھوں میں راتیں
یہ ہی سیلِ آبِ بقا چشمہء نُور ہے، جلوہء طُور ہے وہ؟
اِسی کے لیے وہ سُہانے سدھر رَس بھرے گیت گائے تھے میں نے؟
یہ ہی مہ وش نشۂ حُسن سے چور بھرپور مخمور ہے وہ؟

وہی کس مپُرسی وہی بے حسی آج بھی ہر طرف کیوں ہے طاری؟
مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے یہ میری محنت کا حاصل نہیں ہے
ابھی تو وہی رنگِ محفل جبر ہے ہر طرف زخم خوردہ ہے انساں
جہاں تم مجھے لے کے آئے ہو یہ وادیٔ رنگ بھی میری منزل ہے

شہیدوں کا خوں اس حسینہ کے چہرے کا غازہ نہیں ہے
جسے تم اٹھائے لیے جا رہے ہو یہ شب کا جنازہ نہیں ہے (۲۱)

یہاں فیض کی نظم ''صبحِ آزادی'' کے کچھ مصرعے نقل کرنا مناسب ہوں گے کیوں کہ ان دونوں نظموں میں غیر معمولی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس موازنے سے یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ وہ اعتراضات کس قدر لغو تھے جو فیض کی نظم پر کیے گئے تھے۔

یہ داغ داغ اجالا شب گذیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہو گا شبِ سست موج کا ساحل (۲۲)

برِّ عظیم کی آزادی کو ناروا قتل و غارت سے جس طرح آلودہ اور داغ دار کر دیا گیا۔ وہ ہماری تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ اختر الایمان نے ''کل کی بات'' میں اس واقع کو جس طرح ایک منفرد اسلوب اور کھردری تا ئفیظ کے ساتھ پیش کیا ہے وہ اردو نظم میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اختر الایمان اپنے ماحول اور سماج کے تلخ حقائق کو روائتی مفرس تلفظ میں پیش کرنے کی بجائے موضوع کی مناسبت سے کھردرے الفاظ اور اکھڑے اکھڑے لہجے میں پیش کرتے ہیں جس سے ان کے کلام کی معنویت اور تاثیر میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر سہیل احمد خاں نے بجا طور پر اس سلسلے میں ممتاز افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کی مثال دی ہے۔ نظم ''جگلو'' کے چند مصرعوں سے اس انداز کی مثال دی جا سکتی ہے:

ہاجرہ اپنی کھڑکی میں بیٹھی مگر صبح سے شام تک رات تک
وفا نام کی چیز کو ڈھونڈتی رہتی ہے اپنی آنکھوں سے اس بھیڑ میں
اس ستم جو کی ہے منتظر جس نے اک روز آ کر بہت پیار سے کان میں کچھ کہا
اپنی چاہت کا ایسا بھلاوا دیا، ہاجرہ نے اسے اپنا سب دے دیا
ہاجرہ کی ذرا ناک لمبی ہے چہرے پہ چیچک کے کچھ داغ ہیں اور قد چھوٹا ہے (۲۳)

خراب و شورہ آلودہ زمیں خاموش رہتی ہے
یہاں جھینگر نہ جانے کس زباں میں گیت گاتے ہیں
یہاں چوہے متاعِ زندگی سے سرخ رو ہو کر
مہذّب بستیوں میں جا کے اکثر لوٹ آتے ہیں (۲۴)

''میر ناصر حسین'' واقعیت نگاری اور سماجی دستاویز کا ایک اچھوتا امتزاج ہے۔ اختر الایمان فنِ شاعری کو سماجی توازن کا ذریعہ تصوّر کرتے ہیں کیوں کہ شاعری معاشرے میں افراد کے روّیوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یوں افراد کے روّیے معاشرے میں ایک نئے توازن کی بنیاد بنتے ہیں۔ ''سبزۂ بیگانہ'' میں انسانی ضمیر کی قید اور پکار کو موضوعِ سخن بنا کر معاشرے کے کئی الم ناک پہلو بے نقاب کیے گئے ہیں:

مریض راتوں کو چلاتا ہے مرے اندر
اسیر زخمی پرندہ ہے اِک نکالو اسے
گلو گرفتہ ہے یہ، حبسِ دم ہے، خائف ہے
ستم رسیدہ ہے مظلوم ہے بچالو اِسے
مریض چیختا ہے درد سے کراہتا ہے
یہ ویت نام کبھی ڈومنیکن کبھی کشمیر
زرِ کثیر، سیہ قومیں، خام معدنیات
کثیف تیل کے چشمے عوام استحصال
زمیں کی موت بہائم فضائی جنگ ستم
اجارہ داری، سبک گام، دل ربا، اطفال
سرور و نغمہ ادب شعر، امن، بربادی
جنازہ عشق کا، دف کی صدائیں، مردہ خیال
ترقّی، علم کے گہوارے، روح کا مدفن
خدا کا قتل، عیاں زیرِ ناف زہرہ جمال

تمام رات یہ بے ربط باتیں کرتا ہے (۲۵)

اس نظم کے متعلق مظفر علی سیّد کا تبصرہ توجّہ طلب ہے:

''اگر یہ زخمی پرندہ صرف ویت نام اور ڈومنیکن کا نام لے کر چیختا تو ممکن ہے اس کے خالق کو لینن انعام نہیں، تو پدم شری کا خطاب مل ہی جاتا، لیکن وہ تو اپنے وقت کے مقاماتِ آہ وفغاں میں کشمیر کا نام بھی لیتا ہے۔ جو ایک انسانی تجربۂ جبر کے طور پر اب تک جاری ہے۔ اختر الایمان کی نظم گوئی کوئی اپدیش نہیں دیتی۔ صرف نشان دہی کرتی ہے اور تجربے کی نوعیت بتاتی ہے۔'' (۲۶)

اختر الایمان نے اپنے معاشرے کی بے ضمیری اور بے ایمانی کو اپنی کئی نظموں میں متنوع رنگوں میں پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں ''ایک لڑکا'' کی حیثیت ایک شاہ کار کی سی ہے۔ اگرچہ اس نظم کا اختر الایمان کی سوانح سے بھی تعلق بنتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے ایک مستقل علامتی نظم کے طور پر سراہا گیا ہے۔ اس نظم کے اثرات اختر الایمان کی بعض دیگر نظموں میں بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں جن میں ''یادیں''، ''کتبہ''، ''تبدیلی''، ''راستے کا سوال'' اور ''بچھڑا ہوا آدمی'' شامل ہیں۔

انور ظہیر خاں کے بقول:

''اِس میں دو رائے نہیں کہ ''ایک لڑکا'' تو آپ کا شاہ کار ہے۔ وہ ضمیر کا نوحہ ہے۔ اس موضوع پر اُردو کی پوری شعری روایت میں اس پائے کی نظم نہیں ہے۔'' (۲۷)

اِس نظم میں جس میں کہ بیانیے کا تفاعل ہے مرکزی کردار ''ایک لڑکا'' انسانی ضمیر کی علامت ہے۔ جس کی معصومیت کو ماحول کے زیر اثر تبدیل ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ لڑکا شخصیت کے باطن کی نمائندگی کرتا ہے جب کہ کہانی کا راوی شخصیت کے ظاہر کی نمائندگی کر رہا ہے۔ شاعر نے سماج کی ایک تاریک تصویر دکھا کر بالواسطہ طور پر سماجی توازن پیدا کرنے کی ایک کام یاب کوشش کی ہے۔

غرض گرداں ہوں باد صبح گاہی کی طرح، لیکن
سحر کی آرزو میں شب کا دامن تھامتا ہوں جب
یہ لڑکا پوچھتا ہے اختر الایمان تم ہی ہو؟
یہ لڑکا پوچھتا ہے جب تو میں جھلا کے کہتا ہوں
وہ آشفتہ مزاج، اندوہ پرور، اضطراب آسا

جسے تم پوچھتے رہتے ہو کب کا مر چکا ظالم
اسے خود اپنے ہاتھوں سے کفن دے کر فریبوں کا
اسی کی آرزوؤں کی لحد میں پھینک آیا ہوں
میں اس لڑکے سے کہتا ہوں وہ شعلہ مر چکا، جس نے
کبھی چاہا تھا اک خاشاکِ عالم پھونک ڈالے گا
یہ لڑکا مسکراتا ہے یہ آہستہ سے کہتا ہے
یہ کذب وافترا ہے جھوٹ ہے دیکھو میں زندہ ہوں (۲۸)

یہ نظم جہاں اپنے منفرد اسلوب، منظر نامے، علامت نگاری اور استعارہ سازی کی وجہ سے اختر الایمان کی پہچان بنی ہے۔ وہیں اپنے معاشرے پر جو کسی آدرش پر یقین نہیں رکھتا سنگین وار بھی ہے۔ اس سماجی اور فلسفیانہ خیالات پر مبنی نظم کی تلخی قاری کے لیے ناگوار نہیں ہے کیوں کہ اس میں جو صورتِ حال پیش کی گئی ہے اس سے ہر کوئی واقف ہے۔ یہ نظم سماج کے پریشان حال طبقوں کے ضمیر کی آواز بھی ہے جسے آئے دن کسی نہ کسی مصلحت یا مجبوری کے تحت سماج سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ اس نظم کو معاشرے میں مثبت تبدیلی کے امکان کی نشان دہی بھی کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر محمّد حسن اِس نظم اور سماجی توازن کے تصوّر کے متعلق لکھتے ہیں:

"سمجھوتا کرنے والا فرد یہاں واضح طور پر متوسّط طبقے کا نوجوان ہے۔ جو دیارِ شرق کی آبادیوں سے آموں کے باغوں اور کھیتوں کے مینڈھوں کے رچے بسے تہذیبی پسِ منظر کے ساتھ دھواں اگلتی ہوئی چمنیوں کے دیس میں آیا ہے۔ یہاں شہرِ تمنّا کے میلے اور کھیل کھلونوں کے گل زار میں وہ اس بچے کی طرح کھویا جاتا ہے جس نے اپنے باپ کی انگلی چھوڑ دی ہو اور شرافت، نجابت اور وفا، حتیٰ کہ آل اولاد، بزرگ اور خدا تک کا سودا کرنے والا۔ اس بازار میں وہ اس طرح کھویا گیا ہے کہ گھر کا راستہ نہیں پاتا۔ اختر الایمان کی شاعری کا بنیادی موضوع یہ ہی سماجی توازن کی جان کاہ کوشش ہے۔ جو فرد اور سماج کے درمیان جاری ہے۔ اسے چاہے تو انسان اور آدمی کی آویزش کہ لیجئے لیکن قابل ستائش بات یہ ہے کہ اختر الایمان اس سارے کھیل میں کبھی شکست کھا کر ماضی کی طرف رجعت کا مشورہ نہیں دیتے ۔ کبھی عمل سے نفرت نہیں دلاتے۔ کہیں دیہات کی مینڈھوں کی طرف لوٹ چلنے اور تہذیب کا دامن چھوڑ دینے کی ترغیب نہیں دلاتے، بل کہ اس کاوش اور سمجھوتے ہی کو سماجی ارتقاء اور انفرادی ارتقاء دونوں کی مشترک منزل سمجھتے ہیں۔" (۲۹)

باقر مہدی کے خیال میں:

''اِس نظم میں بچپن کی معصومیت، جوانی کی بغاوت اور مفکّر کی پختہ کاری کا بڑا خوب صورت امتزاج ہے۔'' (۳۰)

اختر الایمان کے شاعری اور سماجی توازن کے تصوّر کے ضمن میں محمّد حسن عسکری کی یہ رائے بہت کفایت کرتی ہے:

''آرٹ بہ نفسہ زندگی کی جست جو ہے۔ ایک نئے توازن، ایک نئے آہنگ کی تلاش ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ فن کار کو نیا توازن پوری طرح حاصل نہ ہو سکے۔ آخر اسے بہت سی ایسی چیزوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے جو فرد کی طاقت سے باہر ہیں، لیکن وہ اس نئے توازن کی سمت اشارہ تو کر سکتا ہے۔'' (۳۱)

اختر الایمان نے سماجی توازن کے سوال میں ادیب یا شاعر کو اُس کی تخلیق تک محدود نہیں خیال کیا، بل کہ اِس ضمن میں گلہ کیا ہے:

''ہمارا سماجی زندگی میں وہ حصّہ نہیں ہوتا جو لندن اور فرانس یا دُنیا کے دوسرے ملکوں کے شاعر اور ادیبوں کا ہوتا ہے۔ فرانس کے بڑے ہوٹلوں میں ان کا بڑا ادیب اور شاعر اپنے ہم عصر ادیبوں اور طالب علموں کے ساتھ بیٹھ کر تبادلہء خیال کرتا ہے اور اگر سماجی زندگی میں کوئی اتھل پتھل ہوتی ہے، اُس میں اُن کا ساتھ دیتا ہے۔'' (۳۲)

زمین زمین کی بعض نظموں کے اسالیب اس قدر نا ملائم ہیں کہ اُن سے لطف اندوز ہونے کے لیے روائتی ذوق شعر ساتھ نہیں دیتا۔ ان نظموں کے موضوعات کی کرب انگیزی ہی در حقیقت اس غیر روائتی اور کھردری شاعری کی بنیاد ہے۔ یہاں زمین اور سماج کے مختلف مسائل کو موضوعِ شعر بنایا گیا ہے۔ جو شاعر ہی نہیں پوری انسانیت کے لیے عذاب بنے ہوئے ہیں۔ ''زمین زمین'' کے پیش لفظ میں اختر الایمان سماجی سطح پر مستقل حیثیت اختیار کر جانے والے اس Status quo پر ہے وہ پریشان اور نالاں نظر آتے ہیں جس میں امید کی کوئی کرن نظر نہیں آ رہی:

''مگر یہ تو کارِ لاطائل اور سعیِ رائیگاں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوا کہ ٹڈیاں فصلیں چاٹتی رہیں درندے زمین کو خون سے لال کرتے رہیں۔ راستے اور گزرگاہیں جسموں سے پٹی رہیں اور شاعر شاعری کرتا رہے۔ روتا رہے اِس صورتِ حال پر۔ یہ کیا مقسوم ہوا انسانیت کا اور اگر اس کا تدارک نہیں تو پھر کیا انسان اور کیا انسانیت؟ کیا شاعر اور کیا شاعر کی سماجی ذمہ داری؟ کیا تہذیب اور اس کے تار و پود؟ اور کیا عقل، قانون اور چارہ جوئی؟'' (۳۳)

اِس کرب ناک صورتِ حال کا اظہار اختر الایمان کی نظموں میں مختلف انداز میں ملتا ہے۔ ''مفاہمت'' میں مختلف المزاج میاں بیوی کو وقت گزاری کے لیے ایک دوسرے کی ناپسندیدہ عادات کو برداشت کرتے دکھایا گیا ہے، لیکن

احساس کے چشمے کے سوکھنے پر خود کو مردہ بھی تصوّر کرتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ شمس الرحمن فاروقی نے اِس نظم کو اپنے عہد کی بہترین نظم قرار دیا ہے۔

خوابوں کا ذکر نہیں کرتے دونوں نے کبھی جو دیکھے تھے
خوشیوں کا ذکر نہیں کرتے جو کب کی سپرد خاک ہوئیں
بس دونوں ٹوٹتے رہتے ہیں (۳۴)

''میری آواز'' میں انسانی کرب زیادہ شدّت سے ظاہر ہوا ہے:

ملائکہ مری آواز سن رہے ہو تم؟
سنی ہے پہلے بھی تم نے ضرور یہ آواز
مگر وہ پہلی سی معصومیت نہیں ہے آج
تمام کرب زمانے کا بھر گیا اس میں
جو زہر زیست میں ہے سب اتر گیا اس میں (۳۵)

''نظم کی تلاش'' میں ایک شاعر کے بے کسی کے ایسے تجربے کا تخلیقی اظہار ملتا ہے، جہاں فن کار تخیّل اور تخلیق سے محروم ہو جاتا ہے۔

''اپاہج گاڑی کا آدمی'' میں شاعر کو اپنا ہم عصر انسان Schizophrenia جیسے ذہنی مرض کا شکار نظر آتا ہے۔ جس میں خیالات اور عملی زندگی میں مطابقت نہیں ہو پاتی اور شخصیت دو حصوں میں بٹ جاتی ہے:

کچھ ایسے ہیں جو زندگی کو ماہ و سال سے ناپتے ہیں
گوشت سے، ساگ سے، دال سے، ناپتے ہیں
خط و خال سے، گیسوئوں کی مہک، چال سے ناپتے ہیں
صعوبت سے، جنجال سے ناپتے ہیں
یا اپنے اعمال سے ناپتے ہیں
مگر ہم اسے عزمِ پامال سے ناپتے ہیں

میں بکھرا ہوا آدمی ہوں
مری ذہنی بیماریوں کا سبب یہ زمیں ہے
میں اس دن سے ڈرتا ہوں جب برف ساری پگھل کر
اسے غرق کر دے
نئے آسمانی حوادث
صفر میں بدل دیں۔۔۔ (۳۶)

اختر الایمان کی محولہ بالا نظموں سے بے چینی، بے کسی اور بے دِلی کا جو تاثر اُبھرتا ہے، وہ سماج کی تلخ اور ناگوار حقیقتوں کا ایک فطری ردّ عمل ہے۔ ''اعتماد''، ''پیمبرِ گل''، ''قافلہ''، ''یوں نہ کہو''، اور ''مامن'' میں شاعر نے ایک متوازن رجائیت کا اظہار کیا ہے۔ "ایک لڑکا" کے آخری حصّے میں بھی رجائیت جھلکتی ہے۔ "قافلہ" کے آخری بند سے اختر الایمان کے سماجی تصوّرات واضح ہونا شروع ہوئے تھے:

گراں ہے ظلمتِ شب وقت کاٹنے کے لیے
کبھی خوش [تو] کبھی غم کی کوئی بات سنائیں
برے بھلے یہ ہی سب لوگ اپنی دُنیا ہیں
نقیبِ صبحِ بہاراں انھیں کی خیر منائیں
اِنھیں کو ساتھ لیے ،اِن کے ساتھ بڑھتے چلیں
اِنھیں سے رونقِ بزمِ جہاں کا امکاں ہے (۳۷)

''برے بھلے یہ لوگ'' ہی اختر الایمان کی توجہ کا مرکز ہیں۔ کیوں کہ حالات اور سماج سے سمجھوتے کے باوجود ان کا ضمیر ابھی مردہ نہیں ہوا۔ ''لوگو اے لوگو'' میں شاعر نے 'برے بھلے یہ لوگ' زیادہ بہتر طریقے سے متعارف کروائے ہیں۔ جسے ممتاز ناقد وارث علوی کے کے لفظوں میں:

''اُردو کی چند بہترین نظموں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔'' (۳۸)

مری انتہائے محبت مسرت سوا اس کے کیا اور ہو گی
بجائے کوئی مسندِ عالیہ طاؤس و زر مانگنے کے
بجائے کوئی سر برآوردہ پتھر صفت شخصیت مانگنے کے

تمھاری معیت، رفاقت تگ و دو کا انداز مانگوں
یہ جمِ غفیر، ایک سیلِ رواں زندگی کا جولا سے نکل کر
اُسی لا میں پھر ڈوب جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ (۳۹)

عام لوگوں سے محبت کا یہ روّیہ ''کرمِ کتابی'' میں زیادہ فکر انگیز اسلوب میں پیش کیا گیا ہے:

اگر ہے زندہ کوئی وقت کی طرح یہ لوگ
یہ لوگ خامیاں جن کی ہیں تیرے دل کی جلن
یہ لوگ جن کو خدا بننے کی نہیں خواہش
یہ لوگ جن کی شبِ ماہ ہے نہ صبحِ چمن
یہ لوگ جن کی کوئی شکل ہے نہ تاریخیں
ہنسی میں ڈھال کے جیتے ہیں یوں ہی رنج و محن
یہ لوگ، کم نظر آتے ہیں جو کتابوں سے
یہ لوگ اپنی دعاؤں، امیدوں کا مدفن
خدائے حاضر و غائب کی ہیں وہ بھیڑیں
جنہیں چراتے ہیں صدیوں سے رہبرانِ وطن
گذر رہے ہیں سبک گام تیری دنیا سے
جہاں تلاشِ معیشت ہے کربِ دار و رسن
نماز ایک کی ہے کفر دوسرے کے لیے
کسی کی وجہِ سکوں ہے کسی کے دل کی چبھن
کسی کا رزق، کسی کے لیے پیالہء زہر
جہاں زمیں نہیں اب تک کسی کا بھی مامن
یہ لوگ جو ہیں ہر اک فن کا خام سرمایہ
انہیں سے باندھا میں نے حیات کا دامن
یہ میں نے مان لیا علم ہے بڑی دولت
اگر کفن نہ بنے یہ تو کیا برائی ہے (۴۰)

معاشرے میں چلتا پھرتا عام آدمی ہی اختر الایمان کے خوابوں کا مرکز ہے۔ اسی عام آدمی کے دَم سے اختر الایمان کی شاعری میں جان پیدا ہوتی ہے اور رجائیت بھی۔ اِسی عام آدمی کو وہ معاشرے میں بہتری کا امکان سمجھتے ہیں۔ وارث علوی کے الفاظ میں:

''انسانوں کے ساتھ اختر الایمان کی یہ وابستگی محض جذباتی نہیں ہے۔ وہ انسان کو نہ تو Idealize کرتے ہیں نہ Romanticize کرتے ہیں نہ Glorify کرتے ہیں نہ Sentimentalize یہ سب نہ کرنے کے باوجود اور شاید اسی سبب سے وہ عام انسانیت کو ایک پر اسرار سمندر کی مانند دیکھتے ہیں جو موت بھی ہے اور زندگی بھی اور بغیر کسی خواہشِ نجات اور موکش کی تمنّا کے وہ اپنی انا کے قطرے کو اس زخار سمندر میں گم کرنا چاہتے ہیں۔'' (۴۱)

یہ بھی اختر الایمان کی انفرادیت ہے کہ وہ سماجی توازن کے لیے اپنی شاعری میں کسی مثالی شخصیت یا کسی بہت بڑے پروگرام کا سہارا نہیں لیتے۔ اُن کے لیے عام آدمی کے خواب اور تجربات ہی بیش قیمت سرمایہ ہیں اسی عام آدمی کی خاطر وہ بغیر کوئی رنگ و روغن کیے، ناملائم اور ناہموار زندگی کی طرز پر ''کھردری''، ''شبہات سے پُر'' اور ''انتشار آمیز'' شاعری پیش کرتے ہیں۔ جو عام آدمی کے کرب کی آئینہ دار بھی ہے اور اُس کے سہارے کی ایک صورت بھی۔ اختر الایمان اور سماجی توازن کی یہ بحث وارث علوی کے ان الفاظ پر ختم کی جارہی ہے:

''داخلی اور خارجی دنیا کے سنگ لاخ حقائق شاعرانہ تخیّل کی آگ میں جب بگھلتے ہیں تو ان سے وہ پیرایہ پیدا ہوتا ہے جو شاعرانہ صداقت سے عبارت ہے۔ اِنھی صداقتوں سے شاعرانہ ضمیر کی تشکیل ہوتی ہے، جو معاشرے کی مروجہ اخلاقیات کا مخزن نہیں، بل کہ مقیاس ہوتا ہے۔ اِسی لیے جوائس نے کہا تھا میں روح کی بھٹّی میں اپنی قوم کا ضمیر بنانے جارہا ہوں۔'' (۴۲)

حواشی

۱۔ ژاں پال سارتر، ''ادیب کی ذمہ داری'' مترجم، انتظار حسین، ''نیا دور''، کراچی، ص ۱۴۔۱۳

۲۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، وضاحتیں، اظہار سنز، لاہور، س ن، ص ۹

۳۔ سلطانہ ایمان۔ بیدار بخت (مرتبہ) کلیاتِ اختر الایمان، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۰، ص ۳۹۷

۴۔ ایضاً، ص ۳۸

۵۔ ایضاً، ص ۳۷

۶۔ علی شریعتی، "مسئولیت، فن وادب اور مذہب کی ذمہ داری" مترجم مظفّر علی سیّد، نیادور کراچی، مارچ، اکتوبر ۱۹۸۳ء، ص ۲۴۷۔۲۴۶

۷۔ بیدار بخت، "اختر الایمان سے ایک گفت گو" ، شب خون، الہ آباد، جون ۹۸ء ص ۶

۸۔ اختر الایمان، آب جو، نیا ادارہ، لاہور، ۱۹۵۹ء، ص ۱۰

۹۔ سلطانہ ایمان۔ بیدار بخت (مرتبہ) کلیاتِ اختر الایمان، حوالہ مذکور، ص ۵۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۸۱

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۸۵

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۱۵

۱۳۔ منیر نیازی، دُشمنوں کے درمیان شام، کتاب نگر، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء ، ص ۶۷

۱۴۔ سلطانہ ایمان۔ بیدار بخت (مرتبہ) کلیاتِ اختر الایمان، حوالہ مذکور، ص ۳۷۶

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۷۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۶۲

۱۷۔ ایضاً، ص ۱ ۴۱

۱۸۔ آفتاب احمد، "گرداب"، کتاب لاہور، اپریل ۴۴، ص ۲۹

۱۹۔ عزیز قیسی، "اختر الایمان"، ایوانِ اردو دہلی، نومبر ۱۹۸۹ء، ص ۵

۲۰۔ صابر وسیم، " اختر الایمان۔ ایک اہم مشاعر"، نئی عبارت، حوالہ مذکور ص ۱۷

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۱۱

۲۲۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، مکتبہ ءکارواں، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۶ ۱۱

۲۳۔ سلطانہ ایمان۔ بیدار بخت (مرتبہ) کلیاتِ اختر الایمان، حوالہ مذکور، ص ۳۵۹

۲۴۔ ایضاً ص ۸۱

۲۵۔ ایضاً، ص ۴۴۴۔۴۴۳

۲۶۔ مظفر علی سیّد، عصرِ حاضر میں ادب کا کردار، "صحیفہ" لاہور، جولائی، ستمبر ۱۹۹۰ء، ص ۱۱

۲۷۔ انور ظہیر خاں، " زمین اور ضمیر کے شاعر: اختر الایمان" حوالہ مذکور، ص ۹۳

۲۸۔ سلطانہ ایمان۔ بیدار بخت (مرتبہ) کلیاتِ اختر الایمان، حوالہ مذکور، ص ۲۶۲

۲۹۔ ڈاکٹر محمّد حسن، دو جدید نظم گو، "سوغات" کراچی، جدید نظم نمبر، ۸۔۷، ص ۲۲۹

۳۰۔ باقر مہدی، منفرد نظم گو، "نیادور" کراچی، ۷، ۸، ص ۱۴۷

۳۱۔ محمّد حسن عسکری، ہیئت یا نیرنگِ نظر، مشمولہ مجموعہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۴

۳۲۔ اختر الایمان، بنتِ لمحات کا پیش لفظ، مشمولہ سرو ساماں، المُسلم پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص ن

۳۳۔ اختر الایمان، زمین زمین، حوالہ مذکور، ص ۲۴

۳۴۔ سلطانہ ایمان۔ بیدار بخت (مرتبہ) کلیاتِ اختر الایمان، حوالہ مذکور، ص ۳۴۹

۳۵۔ ایضاً، ص ۳۵۴

۳۶۔ اختر الایمان، زمین زمین، حوالہ مذکور، ص ۴۶۳۔۴۶۲

۳۷۔ سلطانہ ایمان۔ بیدار بخت (مرتبہ) کلیاتِ اختر الایمان، حوالہ مذکور، ص ۲۵۸

۳۸۔ وارث علوی، اختر الایمان کی شاعری کے چند پہلو، "سوغات بنگلور"، ستمبر ۹۱ء ص ۴۷

۳۹۔ سلطانہ ایمان۔ بیدار بخت (مرتبہ) کلیاتِ اختر الایمان، حوالہ مذکور، ص ۳۵۲

۴۰۔ سلطانہ ایمان۔ بیدار بخت (مرتبہ) کلیاتِ اختر الایمان، حوالہ مذکور، ص ۳۲۰۔۳۱۹

۴۱۔ وارث علوی، '' اختر الایمان کی شاعری کے چند پہلو'' ، حوالہ مذکور، ص ۴۷

۴۲۔ ایضاً، ص ۴۹